بزم صوفیه

محمد میاں صدیقی

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے حوصلہ مند دستے پہلی صدی ہجری کے اختتام سے قبل آنا شروع ہوگئے تھے ۔ ۹۳ ہجری میں محمد بن قاسم ثقفی (م : ۹٦ ھ) نے سندھ بلکه ملتان تک کا علاقه فتح کر لیا تھا اور باقاعده اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آگیا تھا۔

برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ هی تبلیغ دین کا سلسله شروع ہوگیا تھا ـ محمد بن قاسم نے کشور کشائی کی به نسبت تبلیغ دین کو زیاده اهمیت دی، اور دیبل فتح کرنے کے بعد وهاں چار ہزار مسلمان آباد کئے اور ایک جامع مسجد تعمیر کرائی ـ (۱)

اموی خـــاندان نے سندھ پر خصوصی توجه دی، خصوصاً حضرت عمر بن عبدالعزیز (م : ۱۰۱ھ) کو تبلیغ دین کا بہت زیاده خیال تھا۔ انھوں نے سندھ کے چیده چیده امراء اور سربـر آورده لوگوں کو خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی، انھی کی دعوت کے نتیجے میں راجه داهر کا بیٹا جے سنگھ مشرف باسلام ہوا ـ اس کے علاوه بہت سے بااثر اور مقتدر لوگوں نے اسلام قبول کیا ـ (۲)

اموی دور میں سندھ میں جو مسجدیں تعمیر کی گئیں وهاں جید علماء کو بطور امام اور خطیب مقرر کیا گیا، ان علماء کی شبانه روز مساعی سے اسلام کی روشنی دور دور تک پھیلی ـ برصغیـر میـں مسلمان جہاں بھی گئے انھوں نے تبلیغ دین کو اپنا اولیـن فریضـه

سمجھا، مسلمان تاجروں کی محنت سے گجرات، مارواڑ، مدراس اور جنوبی ہند کے دوسرے ساحلی علاقوں میں اسلام کا اثر و نفوذ بڑھا۔

دوسری صدی ھجری ھی میں برصغیر میں جگه جگه داعیان اسلام کے مرکز اور خانقاھیں قائم ھونا شروع ھوگئیں جو بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہ نمائی کی طرح جگمگانے لگیں۔ بجا که اسلام کی ترویج و اشاعت میں مسلمان فاتحین، تجار اور علماء سب نے حصه لیا لیکن تاریخ ہند کا مطالعه کرنے والے یه کہنے پر مجبور ھوئے که جس طرح ہندوستان کی علاقائی فتح کا سہرا سلطان محمود غزنوی (م:۴۲۱ھ) کے سر ہے اسی طرح اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح کا سہرا مشائخ اور صوفیۂ کرام کے سر ہے۔ برصغیر میں تبلیغ دین کے سلسلے میں جو کامیابی و کامرانی بزرگان دین کو نصیب ھوئی وہ کسی اور کا حصه نه بن سکی۔

قرآن کریم نے نبی اکرم صلی اللہ علیه وسلم کی عملی زندگی کو، آپ کے اخلاق فاضله کونسل انسانی کے لئے نمونه کامل بنایا ہے۔ اس کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیه وسلم کا ارشاد گرامی ہے : بعثت لاتمم مکارم الاخلاق(۳) ,, میری بعثت کی غایت ھی یه ہے که میں بہترین اخلاق کی تکمیل کروں،، یہی وجه ہے که صوفیۂ کرام نے سلوک کو تمام تر مکارم اخلاق پر موقوف کیا ہے۔ بلکه بعض مشائخ نے تو تصوف سے اخلاق حسنه ھی مراد لئے ھیں۔

صوفیه کے نزدیک تصوف کا مقصد صرف یه ہے که پہلے انسان خود اپنے اندر اخلاق حسنه پیدا کرے، پھر دوسرے افراد میں اس کی تخم ریزی کرے۔ چنانچه خواجه نظام الدین اولیاء رحمة اللہ علیه فرماتے ھیں :

,,بہت نمازیں پڑھنا، وظائف میں بکثرت مشغول رهنا، تلاوت قرآن میں مصروف رهنا۔ یه سب کام چنداں مشکل نہیں ھیں، ھر

باهمت شخص کر سکتا ہے بلکه ایک ضعیف بڑھیا کے لئے بھی ممکن ہے وہ روزوں پر مداومت کر سکتی ہے تہجد ادا کر سکتی ہے، قرآن کے چند پارے ہر روز پڑھ سکتی ہے لیکن مردان خدا کے کام کاج میں لگے رہنا کچھ اور ہی معنی رکھتا ہے، (۴) ۔

ایمان کے بعد اسلام کی عمارت چار ستونوں پر قائم کی گئی ہے یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ۔ ان چاروں کا بنیادی مقصد بھی قرآن جگه جگه یہی بتاتا ہے که انسان ایک پاکیزہ انسان کے قالب میں ڈھل جائے ۔ اور محاسن اخلاق کی بے داغ تصویر ہو ۔ اس حقیقت کو قرآن ,,لعلکم تتقون،، سے تعبیر کرتا ہے۔ حضور علیه السلام نے بہترین اخلاق کو قدرت کا سب سے اعلیٰ اور گراں قدر عطیه فرمایا ہے (۵) ۔

صوفیه اور اولیاء بھی نبی علیه السلام کے اخلاق حسنه کا عکس اور پر تو ہوتے ہیں اس لئے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے که صوفیه نے زندگی میں عمل کا جو نمونه پیش کیا ہے لوگ اسے اپنائیں ۔ اور حقیقت میں ہوا بھی ایسا ہی ہے ۔ صوفیۂ کرام نے کتابیں نہیں لکھیں، مناظرے نہیں کئے، بحث و تمحیص میں نہیں پڑے ۔ صرف لوگوں کے سامنے نمونۂ عمل پیش کیا ۔ لوگ ان کی خانقاہوں اور مسجدوں میں آتے ۔ وہ کسی سے اس کا عقیدہ اور مسلک نہیں پوچھتے تھے ۔ برصغیر کے صوفیه کی تاریخ تو ہمیں یہاں تک بتاتی ہے که وہ یه بھی شرط نہیں لگاتے تھے که مسلمان بھی ہو یا نہیں ۔ بعض غیر مسلم آتے وہ انہیں بھی اپنے حلقه بیعت میں شامل کر لیتے۔ ان کے پیش نظر یه بات ہوتی تھی که یه شخص جب کچھ روز ہمارے ساتھ گزارے گا، ہمیں اور ہمارے حلقے کے لوگوں کے معاملات اور معمولات دیکھے گا تو اس میں خود اسلام کی طرف کشش ہوگی ۔ نه اسے کتابیں پڑھوانے کی ضرورت پیش آئے گی اور نه کچھ کہنے سننے کی ۔

اس موقعه پر یه عرض کرنے کی اجازت چاهوں گا که علماء نے قرآن اور حدیث کی تفسیر و توضیح میں اپنی عمریں صرف کیں، امت کے لئے گراں قدر سرمایه فراهم کیا، اور اس طرح عقل اور دماغ کی آبیاری کی ۔ لیکن یه کہے بغیر چاره نہیں که صوفیه نے دماغ کے ساتھ دل کی تربیت اور اصلاح کا فرض بھی حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا،

علماء نے کتابیں لکھیں، اور صوفیه نے وه افراد تیار کئے جنھوں نے ان کتابوں پر عمل کر کے ایک انقلاب برپا کر دیا ۔

جب ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق بحث و مناظره کی گرم بازاری هوئی، اس وقت بھی صوفیه نے یہی کہا اور یہی درس دیا که:

الله کے بارے میں بحث و مناظره فضول ہے۔ الله کو منطق کے زور سے حاصل نہیں کیا جا سکتا ۔ آئینه قلب کو صاف کر لو اس کے جلوے خود نظر آنے لگیں گے ۔

حقیقت ایک اور صرف ایک ہے۔ اور وه یه که دنیا میں سب سے موثر آلۂ کشش نمونه عمل ہے۔ کتابوں کے اوراق اور ان کے بے جان حروف کو متحرک اور سرگرم عمل حقیقتوں پر غالب آتے بہت کم دیکھا گیا ہے۔ یہی وجه تھی که بالخصوص برصغیر پاک و هند میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا سب سے بڑا ذریعه صوفیۂ کرام هی بنے ۔

یہی وه محرک تھا جس نے برصغیر کے معروف صاحب قلم اور تاریخ داں جناب صباح الدین عبدالرحمن کو برصغیر کے صوفیه کا تذکره لکھنے پر آماده کیا ۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی :

,,ذاتی سرگزشتوں کی داستان کسی کی بھی هو، دلچسپ هوتی ہے۔ چه جائے که ان بزرگوں کی سرگزشت جو انسانیت کے پتلے، تسلیم و رضا کے بندے، اور محبت و محبوبیت کے مجسمے تھے ۔

دل آویزی ان کے تذکروں میں بھی نہ ھوگی تو اور کہاں ملے گی۔
ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودا ۔
اور پھر جبکہ داستان گو خود داستان سرائی سے واقف ، اور
اس فن میں منجھا ھوا ھو،، (٦) ۔

سید صباح الدین عبدالرحمن نے ,,بزم صوفیہ،، لکھنے کی جو غرض و غایت بیان کی اس کی ابتداء (تمہید میں) ان الفاظ سے کرتے ھیں :

,,صحابہ کرام ، تابعین اور تبع تابعین کی طرح صلحاء اور اخیار امت کی زندگی بھی مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے اس لئے دارالمصنفین کے سلسلہ سیر الصحابہ اور تابعین کے بعد سیرت صوفیہ کی بھی ضرورت تھی، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ راقم سطور تاریخ ھند کا ادنی طالب علم ہے اس لئے اس کتاب کی ترتیب میں یہ بھی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خانقاہ کے بوریہ نشینوں نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے مذھب، اخلاق، معاشرت اور سیاست کو کس طرح سنوارا ۔ تاریخ ھند کے مطالعہ میں عموماً مسلمان حکمرانوں کے افعال و کردار سے اس زمانہ کے مسلمانوں کے اخلاق اور سیرت و کردار کا اندازہ لگایا جاتا ہے جو صحیح نہیں ہے ۔ ھندوستان میں صلحاء اور مشائخ ھی نے اسلام کی معنوی شوکت و عظمت قائم کی ۔ اس لئے ان کے حالات و تعلیمات کو ھندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ سمجھنا چاھیے،، (٧) ۔

بزم صوفیہ کا زمانۂ تالیف چودھویں صدی ھجری کا نصف آخر ہے، اور ظاھر ہے کہ برصغیر کے صوفیہ اور مشائخ کے حوالہ سے اس سے قبل فارسی اور اردو میں بہت کچھ لکھا جا چکا تھا ۔ یہ کہنا تو ممکن نہیں کہ بزم صوفیہ اس موضوع پر لکھی جانے والی ابتدائی

کتابوں میں شامل ہے۔ پھر یہ سوال ابھرتا ہے کہ صوفیہ ، تصوف اور سلاسل تصوف پر جب کافی کچھ لکھا جاچکا تھا اور بعض بہت مستند اھل علم و فضل اس موضوع پر ضخیم کتابیں تالیف کر چکے تھے پھر صباح الدین عبدالرحمن نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت کیوں محسوس کی ۔ ؟

اس کا جواب مولف بزم صوفیہ ان الفاظ میں دیتے ھیں :

,,اب تک صوفیۂ کرام کے جتنے تذکرے لکھے گئے ھیں ان میں زیادہ تر ان کی کرامات و خوارق عادات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ھوا کہ ان بزرگان دین کی اصلی تصویر نظروں سے بالکل اوجھل رھی ۔ ممکن ہے کہ اس حقیر تالیف میں ناظرین کو ھندوستان کے مشائخ کی کچھ ایسی تصویریں ملیں جو اور تذکروں میں شاید نہ مل سکیں ،، (٨) ۔

فاضل مولف نے اپنے سلف کے طرز تالیف سے کیوں گریز کیا ۔ اور صوفیہ کے ان کشف و کرامات کا ذکر اپنی کتاب میں کیوں نہیں کیا جن کا شیخ عبدالحق دھلوی جیسے محدث کبیر تک نے اپنی تالیف اخبار الاخیار میں کیا ہے۔ ؟

کشف، الھام اور کرامات صوفیہ کی زندگی کا ایک لازمی حصہ ھیں، اھلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو کشف و الھام بھی ھوتا ہے اور ان کی ذات سے بعض ایسے امور بھی وقوع پذیر ھوتے ھیں جو عام طور پر عادتاً نہیں ھوتے اور جنھیں علم کلام کی اصطلاح میں ,,خارق عادات،، کہا جاتا ہے۔

مسلم علماء اور خاص طور پر متکلمین نے کشف، الھام اور وحی کی حقیقت اور ان کے باھمی فرق پر طویل بحثیں کی ھیں ۔ نبی کی ذات سے جو بات معمول اور عادت کے خلاف (خرق عادت) صادر ھو اسے معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نبی کے علاوہ ایک عام انسان کی

ذات سے کوئی چیز خلاف عادت صادر ہو تو وہ کرامت کہلاتی ہے (۹) ۔

اس حقیقت کے باوجود مولف بزم صوفیہ نے صوفیہ کے تذکرے میں ان کی ذات اور نفوس قدسیہ سے وابستہ کشف و کرامات کے ذکر سے کیوں گریز کیا ۔ ؟

اس کی بنیادی وجہ کیا ہے۔ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں :

,,اس کتاب میں صوفیۂ کرام کے کرامات و خوارق عادات کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا ہے کہ راقم ان کا قائل نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے کہ جس طرح بعض لوگوں کے نزدیک ایک معجزہ نبوت کی دلیل نہیں اسی طرح کرامت بھی ولایت کا ثبوت نہیں ۔ خود اولیاء اللہ اپنی کرامتوں کو اپنا شرف اور کمال نہیں سمجھتے ۔ اس لئے ان کو اوصاف میں شمار کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا،، (۱۰) ۔

مولف کی اپنی مذکورہ بالا بیان کردہ وجہ کے علاوہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ کشف اور کرامت کا عام انسان کی عملی زندگی سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے کسی خاص انسان کی زندگی کو عام لوگوں کے سامنے پیش کرنے کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے ، اور یہی ہونا چاہیے کہ لوگ اس کے بہترین اور پاکیزہ اخلاق سے متاثر ہوں اور انہیں اپنی عملی زندگی میں اپنانے کی کوشش کریں ۔

خود بزرگان دین نے کبھی اس بات کو پسند نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کشف و کرامت کی جس نعمت سے نوازا ہے وہ خود یا دوسرے لوگ اس کی تشہیر کریں ۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (م : ٦٦۴ھ) فرمایا کرتے تھے :

,,اس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والوں کا کام ہے مشائخ نے اس کے اظہار کو ناپسند کیا ہے۔ کیوں کہ اس سے نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے ،، (۱۱)۔

صاحب بزم صوفیه نے بھی حضرت بابا فرید کا یه قول درج کیا ہے۔

بزم صوفیه نام رکھنے کی وجه :

اگرچه صوفیه کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں کے ناموں میں بھی تنوع ہے۔ اور ایک خوبی یه ہے جو ناچیز راقم نے محسوس کی که کتاب کا نام اور عنوان معنون کا غماز ہوتا ہے۔ حتیٰ که جو کتابیں ان کی تعلیمات اور ملفوظات پر مشتمل ہیں ان کے ناموں کا اندازہ مختلف ہے۔ جن کا تعلق صرف سیرۃ و سوانح سے ہے ان کے ناموں کا انداز اور ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کا نام (جو که مشاہیر صوفیه کے احوال و آثار پر مشتمل ہے) روایتی اسلوب اور انداز سے ہٹ کر کیوں رکھا گیا۔ ؟ اس کی وجه اور وضاحت خود فاضل مصنف کی زبانی سنئے۔ کہتے ہیں که :

,,کتاب کا نام،، بزم صوفیه،، بھی شاید بعض ناظرین (وقارئین) کو اس لئے پسند نه آئے که صوفیه کے لئے بزم کا لفظ بے جوڑ سا ہے لیکن یه نام راقم کو اتنا پسند آیا که کسی اور نام کی طرف طبیعت مائل ہی نه ہوئی ،،(۱۲) ۔

ہر مسلمان کے دل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیه وسلم کی محبت و عقیدت جلوہ گر ہوتی ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کے دل سب سے زیادہ منور اور تابناک ہوتے ہیں جن کی زبان اور قلم پر ہر وقت حضور اقدس اور ان کے شیدائیوں کا تذکرہ رہتا ہے۔

کچھ ایسا ہی حال ہم بزم صوفیه کے مصنف صباح الدین عبدالرحمن کا بھی دیکھتے ہیں ۔ وہ ایسے پاک طینت لوگوں کے حالات لکھنے کے لئے قلم اٹھا رہے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی، اور اس کے رسول کی محبت کے سوا اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہوتی وہی عکس اور پرتو صباح الدین کے قلم اور لوح قلب پر منعکس ہوتا ہے۔ کہتے ہیں که :

,,مشائخ کے حالات کے سلسلہ میں تعظیم و تکریم کے لئے ,,آپ،، کا لفظ گویا بالکل ھی استعمال نہیں کیا ۔ اس کی اگر کوئی خاص وجہ ھو سکتی ہے تو صرف یہ کہ کسی موقع پر حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی (م : ۱۹۵۳ء) نے میری ایک تحریر دیکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ: میں تو لکھتے وقت ,,آپ،، کا لفظ صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ھی کے لئے استعمال کرنا پسند کرتا ھوں،، ۔ یہ بات میرے دل میں اس قدر لگی کہ ان بزرگوں کے لئے ,,آپ،، کا لفظ استعمال کرنا مناسب معلوم نہ ھوا، اور زیادہ ان کے اسمائے گرامی ھی لکھے گئے۔ یا ,, وہ ،، اور انھوں، سے اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ جن ناظرین کے ذوق پر گراں گزرے، ان سے معذرت خواہ ھوں ،، (۱۳) ۔

میرا خیال ہے کہ جو شخص محبت اور عقیدت و احترام کی باریکیوں اور ان کے آداب سے واقف ہے اسے یہ اسلوب ، اور پیرایۂ اظہار ناگوار تو کیا گزرے گا وہ مصنف کے اس جذبہ دل کی داد دیئے بغیر نہیں رھے گا کہ اس نے حضور میں، اور حضور کے شیدائیوں میں کیسا خوب صورت اور باریک خط امتیاز کھینچا ہے۔ ★

صوفیۂ کے سوانح، اور احوال و آثار پر مبنی ایک کتاب کا تعارف پیش نظر ہے تو یہ وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ اولیائے کرام کے

★★ اسی طرح کی ایک اصطلاح ,,روضۂ اقدس،، اور ,,آں حضرت،، بھی ہے ۔ میں نے بعض حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ فرط عقیدت سے یہ اصطلاحات اپنے اساتذہ، شیوخ، اور پیروں کے لئے بھی استعمال کر لیتے ھیں ۔ لیکن ناچیز راقم کسی بزرگ ترھستی کے لئے بھی آں حضرت کا لفظ (بجز حضور انور کے) اور اسی طرح کسی کے مزار کے لئے روضۂ اقدس کی تعبیر مناسب نہیں سمجھتا ۔

ایک اور لفظ ہے ,,والدۂ ماجدہ،، ۔ اس کے بارے میں بھی میں نے کثرت سے دیکھا کہ مولفین و مصنفین اپنے اساتذہ، شیوخ اور پیروں کی والدہ کے لئے والـــدہ ماجدہ کی تعبیر اختیار کرتے ھیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ کے علاوہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی والدہ کے لئے بھی کبھی یہ لفظ استعمال نہیں کیا، نہ جانے کیوں طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ دوسرے بہت سے حضرات کے لئے دل میں تمام تر احترام، اور جذبہ محبت کے باوجود دل نہیں مانتا کہ اولاً جو لفظ، اور جو اصطلاح حضور انور کے لئے، ان کے والدین کے لئے، اور ان کی ازواج و اولاد کے لئے استعمال کی گئی وہ ان کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال کی جائے۔

حالات میں عام طور پر جو کتابیں لکھی گئی ھیں ان میں اس حزم و احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا گیا جو ھمیں فقہاء اور محدثین کی کتابوں میں نظر آتا ہے۔ اس کی جہاں اور بہت سی وجوہ ھیں وھاں ایک وجه یه بھی ہے که حضرات صوفیه مختلف احوال و مقامات سے گزرتے رھتے ھیں، ان کے سـیر و سـلوک کی بہت سی منزلیں عوام، اور اھل ظاھر کے لئے ناقابل فہم ھوتی ھیں ـ اور اس پر طرہ ـ ان کی خاص اصطلاحات، اور رمزوکنایے ـ لفظ بولا کچھ گیا اور مراد اس سے کچھ لے لیا ـ اور پھر حالات اور ملفوظات قلم بند کرنے والوں کا محبت و عقیدت میں غلو۔ بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔

صوفیه کے حالات پر مشتمل ایک معروف کتاب ,,سیر العارفین،، نے اس بات کی نشان دھی کی ہے :

,, ایک شخص نے حضرت نصیر الدین اَوَدھی سے عـرض کیا که میں نے خواجه قطب الحق والدین قدس سرہ کے ملفوظات میں ایسا کچھ لکھا ھوا دیکھا ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا که: بالکل غلط ہے۔ میں نے به چشم خود دیکھا ہے که ـ ماشاء اللہ، یه کلام ان کا نہیں ہے۔ اکثر غلط غلط کلمات الحاقی ھیں جو ان کے مجاوروں اور سجادہ نشینوں نے بڑھا دیئے ھیں وہ کسی طرح قطب صاحب قدس سرہ، کے حال، اور اعمال کے مناسب نہیں ھیں ،،(۱۳)۔

بہرکیف اس تمام تر کے باوجود فاضل مصنف کو ملفوظـات و مکتوبات کے انبار عظیم میں اخذ و نقل کے قابل جو کچھ نظر آیا اسے حسن ترتیب، اور سلیقه مندی کے ساتھ جمع کر دیا ـ اور مولانا عبدالماجد دریا بادی کے بقول: احتیاط اپنے نزدیک اس کی کرلی که جو امور خلاف شریعت، یا بہت زیادہ مبالغه آمیز نظر آئیں انھیں نظر انداز کر دیا جائے،، ـ لیکن مولانا ھی کا کہنا ہے که اتنی احتیاط بھی

ناکافی رهی، کتاب میں کئی مقامات ایسے آتے هیں جهاں پهنچ کر ایک سیدها سادا پابند شریعت چونک جاتا ہے لیکن اس میں قصور مصنف کا نهیں، ماخذوں کا ہے۔

تذکرے کے لئے برصغیر سے تعلق رکھنے والی صرف انیس شخصیتوں کو منتخب کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک اس کا کوئی موزوں جواب نهیں دیا جا سکتا، جتنی بهی شخصیات کا انتخاب کرتے یهی کها جاتا که سینکڑوں شخصیات میں سے ان حضرات کا انتخاب کیوں کیا گیا ۔ انتخاب تو کرنا هی تها، انیس کا کر لیا ۔ جو شخصیات منتخب کیں وہ اپنے رتبے، اور خدمت اسلام کے لئے بلاشبه بهت بلند مقام رکھتی هیں ۔

ان حضرات کی ترتیب کچھ اس طرح ہے :

۱ : پیر سید علی هجویری ۔ معروف داتا گنج بخش ۔ (م : ۴۶۵ھ)
۲ : خواجه معین الدین چشتی ۔ (م : ۶۳۲ھ)
۳ : خواجه قطب الدین بختیار کاکی ۔ (م : ۶۳۳ ھ)
۴ : قاضی حمید الدین ناگوری ۔ (م : ۶۴۱ھ)
۵ : شیخ بهاء الدین زکریا ملتانی ۔ (م : ۶۶۱ھ)
۶ : شیخ صدر الدین عارف ۔ (م : ۶۸۴ھ)
۷ : خواجه فرید الدین گنج شکر ۔ (م : ۶۶۴ھ)
۸ : شیخ فخر الدین عراقی ۔ (م : ۶۸۸ھ)
۹ : شیخ امیر حسینی ۔ (م : ۷۱۹ ھ)
۱۰ : خواجه نظام الدین اولیاء ۔ (م : ۷۲۵ھ)
۱۱ : شیخ بو علی قلندر پانی پتی ۔ (م : ۷۲۴ھ)
۱۲ : شیخ ابو الفتح رکن الدین ۔ (م : ۷۳۵ھ)
۱۳ : شیخ برهان الدین غریب ۔ (م : ۷۳۸ ھ)

۱۴ : مولانا ضیاء الدین نخشبی ـ (م : ۷۵۱ ھ)
۱۵ : خواجه نصیر الدین محمود چراغ دهلی ـ (م : ۷۵۷ھ)
۱۶ : شرف الدین احمد منیری ـ (م : ۷۸۲ھ)
۱۷ : سید جلال الدین بخاری ـ (م : ۷۸۵ھ)
۱۸ : سید اشرف جهاں گیرسمنانی ـ (م : ۸۰۸ھ)
۱۹ : سید محمد گیسو دراز ـ (م : ۸۲۵ھ)

ان انیس بزرگوں کا ذکر جمیل پانچ سو بیس صفحات پر مشتمل ہے ـ

صوفیۂ کرام کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان کے مطالعه سے عام طور پر یه تاثر هوتا ہے که وہ شریعت کے عالم نہیں هوتے تھے یا علمائے ظاهر کی طرح شریعت کا اتباع نہیں کرتے تھے ـ ,,بزم صوفیه،، کی خوبی یه ہے که اس کے مطالعه سے نه صرف یه که اس قسم کا کوئی تاثر پڑھنے والے کے ذهن میں پیدا نہیں هوتا بلکه کافی حد تک اس کی نفی هوتی ہے ـ جن حضرات صوفیه نے کتابیں لکھیں ان کا بطور خاص ذکر کیا جیسے پیر سید علی هجویری رحمة الله علیه کی کشف المحجوب، اس کا نه صرف ذکر کیا ہے بلکه بھر پور تعارف کرایا ہے اور یه ثابت کیا ہے که کشف المحجوب، تصوف کی اولین اور بنیادی کتابوں میں سے ہے ـ کشف المحجوب اس بات کا ثبوت ہے که پیر سید علی هجویری رحمة الله علیه پیر طریقت بھی تھے اور شرعی علوم کے زبردست عالم بھی ـ

اکثر صوفیه نے اس انداز سے تصنیف و تالیف نہیں کی جیسا که علمائے ظاهر نے کی لیکن اس کے باوجود یه نہیں کہا جا سکتا که وہ اس میدان میں خالی هاتھ هیں ـ بعض بہت گراں قدر تالیفات هیں جو ان کے قلم سے نکلیں ـ پھر ان کے ملفوظات بذات خود حکم و حکمت کا بیش قیمت خزانه هیں ـ ان کے تلامذہ نے بڑی توجه اور ذمه

داری کے ساتھ ان کے ملفوظات قلم بند کئیے اور وہ بعد میں اہل علم تک پہنچے، ان میں شرعی علوم سے متعلق ایسے اسرار و حِکَمْ ہیں جو بڑی بڑی تصانیف میں بھی نہیں ملتے ۔

صاحب بزم صوفیہ نے دیگر تذکرہ نویسوں کی طرح ان کتابوں کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ پوری تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ان حضرات کی کتابوں سے ایسے اقتباسات نقل کئے ہیں جو اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ یہ حضرات شرعی علوم کے ماہر نہیں تھے، یا علمائے ظاہر کی طرح شریعت کے پیروکار نہ تھے ۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے جو دلیل العارفین کے نام سے شائع ہوئے ہیں، صاحب بزم صوفیہ نے یہ ملفوظ نقل کیا ہے :

,, تصوف نہ علم ہے نہ رسم، بلکہ مشائخ رحمہم اللہ کا ایک خاص اخلاق ہے۔ صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو۔ جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا جس کا نام طریقت ہے اور جب اس میں ثابت قدم رہے گا تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا، اور جب اس پر بھی پختہ ہو جائے گا تو حقیقت کا مرتبہ پائے گا،، (۱۵) ۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات شریعت کے کس درجہ پابند تھے اور لوگوں کو کن طریقوں سے اس کی پیروی اور پابندی کا درس دیتے تھے ۔ لکھتے ہیں :

,,ایک بار خواجہ نظام الدین اولیاء خلافت سے پہلے ایک مسجد میں بیٹھے کسی شرعی مسئلہ پر غور و فکر کر رہے تھے۔ وہاں ایک مجذوب بھی تھا، وہ کہنے لگا : یا مولانا نظام

الدین ! علم بڑا حجاب ہے خواجہ نظام الدین کے دل میں یہ بات کھٹکی کہ علم حجاب تو ہو سکتا ہے لیکن بڑا حجاب کیسے ہو سکتا ہے۔ خواجہ اپنے مرشد بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مجذوب کی یہ بات نقل کی ۔ بابا فرید الدین گنج شکر نے فرمایا : حجاب دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک ظلمانی، اور دوسرا نورانی ۔ گناہ اور برائیاں ظلمانی حجاب ہیں ۔ جو شخص ان سے توبہ کرے گا اس کا گناہ معاف کر دیا جائے گا ۔ لیکن علم ایک نورانی حجاب ہے جس کو نہ ہر شخص عبور کر سکتا ہے اور نہ اس کے کنارے سے اٹھ سکتا ہے۔ جس وقت تک شرعی علوم میں دستگاہ نہ ہوگی خدا کی محبت، معرفت، اور قربت حاصل نہیں ہو سکتی "(١٦) ۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقعہ پر اپنے مریدوں سے فرمایا :

" جب ایک آدمی تین باتوں سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تین چیزیں اٹھا لیتا ہے۔ اول جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو اللہ اس کے مال میں سے برکت اٹھا لیتا ہے دوسرے جو شخص قربانی نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے سکون و عافیت چھین لیتا ہے تیسرے جو شخص نماز نہیں پڑھتا اللہ تعالیٰ مرنے کے وقت ایمان کو اس سے جدا کر دیتا ہے "(١٧)۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے کے ضمن میں لفظ سنجری اور سجزی کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں ۔ اس کے تلفظ میں بڑے بڑے اہل علم نے ٹھوکر کھائی ہے کہ یہ لفظ س ، ن ، ج ، ر ہے یا : س ، ج ، ز ہے۔ لکھتے ہیں کہ :

,, سیر العارفین میں آپ (خواجہ معین الدین چشتی سجزی) کے مولد شریف کا نام دار سنجان ہے اور سیر الاقطاب میں اصفہان لکھا، تاریخ فرشتہ جلد ۲، صفحہ ۳۷۵ میں ہے: ,,تولد او در بلدہ سجستان بود،، ۔ اکبر نامہ میں ہے: ,,خواجہ از سیستان است و اورا سنجری نوسید کہ معرب سنگری است،، ۔ (جلد ۲، ص: ۱۵۴) تزک جہاں گیری میں ہے : مولد آں جناب سیستان است ازیں جہت ایشاں را سنجری نویسند کہ معرب سنگری است،، ۔ (ص : ۴) راقم الحروف کے خیال میں سنجری کتابت کی غلطی ہے جو عوام و خواص میں پھیل گئی ہے ۔ دراصل صحیح لفظ سجزی (س، ج، ز، ی) ہے ۔ عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز (س، ج، ز) بھی کہتے تھے ۔ جس کی نسبت سجزی (س، ج، ز، ی) ہے ۔ اس لئے معین الدین سنجری کے بجائے سجزی صحیح ہے ۔ (۱۸)

صوفیہ کے بارے میں یہ تصور بھی غلط ہے کہ وہ عملی زندگی سے کنارہ کش ہوتے تھے ۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ عہدہ اور اقتدار سے دور رہتے تھے بلکہ اس بات کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ بادشاہ وقت یا کسی حاکم اعلی سے تعلق رکھیں، بہت سے بادشاہ صوفیہ کے معتقد اور مداح گزرے ہیں، وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ ان حضرات کی خدمت کریں ۔ مگر یہ اس کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے ۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی زندگی عسرت اور تنگدستی میں گزری ۔ کسی نے سلطان جلال الدین خلجی کو خبر دی کہ حضرت خواجہ عسرت کی زندگی گزار رہے ہیں ۔ اس نے پیغام بھیجا کہ : اگر حضرت اجازت دیں تو خدمت گزاروں اور درویشوں کے لئے کچھ گاؤں نذر کئے جائیں ۔ حضرت خواجہ نے

مریدوں سے ذکر کیا تو کہنے لگے : اے محبوب الٰہی : ہم کبھی کبھی آپ کے گھر سے روٹی کھا لیتے ہیں ۔ اگر آپ نے سلطان کے یہ گاؤں قبول کر لئے تو اس کے بعد ہم آپ کے یہاں پانی بھی نہیں پئیں گے»(١٩) ۔ یہ سن کر خواجہ بہت مسرور ہوئے ۔ صبروقناعت اور سرکار و دربار سے بےنیازی کا یہ حال تو مریدوں کا تھا، بھلا شیخ اور پیر کہاں شاہی مراعات قبول کرتے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ صوفیہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں وہ کسب حلال کے قائل تھے، اور نہ صرف اپنی روزی کسب حلال کے ذریعے حاصل کرتے تھے بلکہ غریبوں، مسکینوں اور درویشوں کو بھی کھلاتے تھے ۔ ان سے بھی کبھی غافل نہیں ہوتے تھے ۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ وسیع کاروبار کے مالک تھے، ان کی مسجد اور خانقاہ میں جتنے مسافر اور درویش رہتے تھے سب کے خورد و نوش کا انتظام ان کی طرف سے ہوتا تھا ۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو جب اللہ نے فراخی عطا کی تو انھوں نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک تمام درویشوں کو کھانا نہیں پہنچ جاتا تھا، روزہ افطار کرنے بیٹھتے تو محلہ کے تمام غریبوں اور حاجت مندوں کو پہلے کھانا بھجواتے اور پھر خود کھانا کھاتے ۔

حضرت اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے ایک اقتباس صاحب بزم صوفیہ نے نقل کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرات صوفیہ نے بادشاہان وقت سے کنارہ کشی کی، درویشانہ زندگی گزاری لیکن اپنی روزی کے لئے کسی پر نظر نہیں کی ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت اور طریقہ کے مطابق اپنی محنت اور ہنر سے کمایا، خود اپنا پیٹ بھی اس سے بھرا، اور عزیز و اقارب، ہمسایوں، حتی کہ مریدوں اور

درویشوں کو بھی اس میں سے کھلایا ـ پیغمبرانہ طریق کے مطابق کچھ بچا کر نہیں رکھتے تھے ـ خواجہ نظام الدین اولیاء کے تذکرے ھی میں لکھا ہے کہ: جو کچھ ھدایا اور تحائف آتے انھیں بھی شام تک غریبوں، اور درویشوں میں تقسیم کر دیتے، اور جمعہ کے روز لنگر خانے کا خود معائنہ فرماتے کہ اس میں کوئی چیز باقی تو نہیں، جھاڑو دلواتے اور اس کے بعد نماز جمعہ کے لئے تشریف لے جاتے،،(۲۰)ـ

حضرت شیخ جہانگیر سمنانی فرماتے ھیں :

,, اکثر مشائخ کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے اور دل و جان سے اس کی طرف بڑھتے تھے، اگلے مشائخ اور علماء بھی کسی نہ کسی پیشے میں مشغول رھتے تھے اور ان کو موجب عزت سمجھتے تھے ـ بدقسمتی سے ھندوستان میں پیشہ اختیار کرنا بری خصلت سمجھا جانے لگا اسی وجہ سے محتاجی اور فقیری میں مبتلا ھوگئے ـ یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیاء کسی نہ کسی پیشہ کی طرف منسوب ھیں، اس لئے پیشہ کی توھین کرنا ایک قسم کا کفر ہے ،، (۲۱)ـ

حضرت اشرف جہاں گیر سمنانی نے ایک سالک کو معاشرتی حیثیت سے بھی اعلی قسم کے اوصاف سے متصف ھونے کی تلقین کی ہے ـ

صاحب بزم صوفیہ نے ایسے بہت سے واقعات اور خود بزرگان دین کے اقوال نقل کئے ھیں جن سے ثابت ھوتا ہے کہ یہ حضرات جہاں ایک طرف عبادت و ریاضت میں مشغول رھتے تھے، اور ذکر الھی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، وھاں کسب معاش سے غافل نہیں ھوتے تھے ـ توکل اور استغناء کی تمام تر صفات کے باوجود اپنی روزی کے لئے کسی کی طرف نظر نہیں رکھتے تھے ـ اپنی روزی جائز اور حلال طریقوں سے خود کماتے تھے ـ اللہ ان کو جو رزق عطا کرتا تھا وہ

سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے تھے ۔ دراصل ان حضرات کے پیش نظر صرف یہ بات رہتی تھی کہ اللہ کے بندوں کی خدمت کی جائے ۔ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان کبھی ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا تھا کہ : جو مسلمان اپنے کسی بھائی کی مدد میں لگا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا معین و مددگار ہوگا ۔ (۲۲) ۔

قرآن حکیم نے ,,سیروا فی الارض،، کا حکم دیا، حضرات صوفیہ نے ظاہری اور باطنی علم کی تلاش میں اللہ کے اس حکم پر خوب عمل کیا ۔ برصغیر پاک و ہند کے صوفیہ نے ایران ، ترکستان، سمر قند و بخارا، اور بلاد عرب کی وسیع تر سیاحت کی، برسہا برس ان علاقوں میں قیام کیا ۔ اور وہاں کے اہل ظاہر اور اہل باطن دونوں طبقوں سے استفادہ کیا ۔ حصول علم کے سلسلے میں صاحب بزم صوفیہ نے نقل کیا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ملتان میں پانچ برس قیام کیا اور وہاں رہ کر سنسکرت سیکھی (۲۳) ۔

صوفیۂ کرام کے ذریعے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اس لئے بھی زیادہ ہوئی کہ انھوں نے اپنے درس، اور وعظ و تبلیغ کو عربی زبان تک محدود نہیں رکھا، علاقائی زبانوں کو استعمال کیا اور انھیں وعظ و نصیحت کا ذریعہ بنایا ۔

صاحب بزم صوفیہ نے بعض صوفیہ کا فارسی کلام بھی نقل کیا ہے۔ اس سے جہاں ان کے نفیس اور بلند پایۂ ذوق شعری کا پتہ چلتا ہے وہاں اس بات کی بھی نفی ہوتی ہے کہ ان حضرات کی زندگی صرف چند کشف و کرامات کے گرد گھومتی ہے ۔

شیخ فخر الدین عراقی کے فارسی اشعار، قصائد اور رباعیاں نقل کی ہیں، وہ نہ صرف معانی و مطالب کے اعتبار سے بلکہ زبان و بیان کے نقطہ نظر سے بھی بہت بلند ہیں ۔

ایک غزل کے اشعار ھیں:

بیا اے دیدہ تایکدم بگریم   نیم چون خوش دل و خرم بگریم
گہے از درد بے درمان بنالیم   گہے از زخم بے مرھم بگریم
نشد جان محرم اسرار جانان   بران محروم نامحرم بگریم
عراقی را کنون ماتم بداریم   بران مسکین دریں ماتم بگریم

عراقی کے مندرجہ ذیل اشعار بہت مشہور ھیں، اور حال و قال کی مجلسوں میں خوب پڑھے جاتے ھیں :

به زمیں چو سجده کردم ز زمیں ندا برآمد
که مرا خراب کردی تو به سجده ریائی
چو براه کعبه به حرم رهم ندادند
که برون در چه کردی که درون خانه آئی (۲۳)

خلاصه کلام یه که ,,بزم صوفیه،، بزرگان دین کے عام تذکروں سے بالکل مختلف ہے ۔ اس کے مطالعه سے هرگز یه تاثر نہیں ھوتا که صوفیۂ کرام نے صرف خانقاھوں میں بیٹھ کر زندگی گزاری ہے ۔ یا عمل کی دنیا میں ان کی زندگی ادھوری اور ناتمام تھی ۔ اس کتاب کا مطالعه قاری کو یه تاثر دیتا ہے که صوفیه کی زندگی صبر، قناعت اور توکل کا مرقع تھی، وہ اس علم اور عمل کے جامع تھے جو ایک مومن صادق کا مقصود حقیقی ھونا چاھیے، انھوں نے اپنی ذات سے زیادہ دوسروں پر توجه دی، خود مشکل، اور مصیبت میں ھوتے ھوئے دوسروں کی ضرورتیں پوری کیں ۔ تبلیغ دین اور خدمت خلق کو اپنی زندگی کا حاصل بنایا ۔

فاضل مولف سے بعض تسامحات بھی ھوئے ھیں، ان کا ذکر بھی غیر مناسب نه ھوگا اور اس یقین کے ساتھ ان کی نشان دھی کر رھا ھوں که اتنی ضخیم کتاب میں اس قسم کے دوچار تسامحات هرگز اس کی اهمیت و افادیت کو کم کرنے کا باعث نہیں بنیں گے ۔ مثلاً حضرت پیر سید علی هجویری رحمة الله علیه کے تذکرے میں خواہ معین الدین چشتی رحمة الله علیه کا وہ شعر جو انھوں نے حضرت کے

مزار مبارک پر چله کھینچنے کے بعد واپسی پر لکھا تھا ۔ یوں نقل کیا ہے :

گنج بخش ہر دو عالم مظہرنور خدا　　کاملاں را ہنر کامل، ناقصاں را رہنما

حالانکہ یہ شعر تمام تذکرہ نگاروں نے اِس طرح نقل کیا ہے :

گنج بخشِ فیض عالم مظہرِ نورِ خدا　　ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

اور اسی طرح حضرت کے مزار مبارک پر لکھا ہوا ہے ۔

دوسرے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمة اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے :

,,حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی نہ کسی تصنیف کا پتہ چلتا ہے اور نہ ملفوظات کا ذکر تذکروں میں ہے،، (٢٥) ۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی ایک تصنیف ,,الاوراد،، کے نام سے ہے اس بارے میں کافی تحقیق ہو چکی ہے ۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم کا مستقل ایک مقالہ اس بارے میں موجود ہے جو ان کے مجموعہ مقالات ,,مقالات علمی و دینی،، میں شامل ہے ۔ ,,الاوراد،، کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔ ١٩٦٥ء میں ڈاکٹر شیخ محمد اکرام مرحوم (مصنف موج کوثر وغیرہ) نے ناچیز راقم سے کہا کہ وہ اس کی نقل و تصحیح کا کام سر انجام دے تاکہ اس کی طباعت ممکن ہو ۔ ناچیز نے اس مخطوطہ کو نقل کیا اور ١٩٧٨ء میں اسلامک بک فاؤنڈیشن لاھور اور مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے تعاون و اشتراک سے یہ مخطوطہ شائع ہوا ۔

مرکز تحقیقات فارسی ایران نے اس بات کی تصدیق کی کہ یہ حضرت بہاء الدین زکریا کی تصنیف ,,الاوراد،، کا مخطوطۂ قدیم ہے اور پہلی بار طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے ۔

درگاہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے سجادہ نشین جناب مخدوم سجاد حسین قریشی نے ,,الاوراد،، کی طباعت پر اس خواہش کا

اظہار کیا کہ ان کے پیرومرشد کی یہ تصنیف کیوں کہ عربی اور فارسی میں ہے اگر اس کا اردو ترجمہ ہو جائے تو ہر خاص و عام کے لئے اس سے استفادہ ممکن ہو۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں ناچیز نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور ابتداء میں ایک بسیط مقدمہ لکھا جس میں بطور خاص ,,الاوراد،، کے بارے میں اہل علم و فضل اور محققین کی تحقیقات کا حوالہ دیا اور یہ ثابت کیا کہ ,,الاوراد،، حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ اردو ترجمہ بھی بحمداللہ ۱۹۸٦ء میں شائع ہو گیا ہے۔

اس قسم کے تسامحات اکثر اہل علم سے ہو جاتے ہیں کیوں کہ ہم میں سے کسی کا بھی علم تمام معلومات کو محیط نہیں ہے۔

کتاب میں اگرچہ انیس صوفیۂ کرام کا تذکرہ ہے لیکن ضمنی طور پر برصغیر کے تمام صوفیہ کی تاریخ سامنے آ جاتی ہے۔ صوفیۂ نے تبلیغ و اشاعت اسلام کے سلسلے میں برصغیر میں جو کردار ادا کیا ہے وہ بھی بڑے واضح اور نمایاں طریقہ سے سامنے آ جاتا ہے۔

کتاب کا انداز بیان عام فہم ہونے کے ساتھ دلکش بھی ہے اور یقیناً ,,بزم صوفیہ،، سیرۃ و سوانح کے ذخیروں میں ہی نہیں اُردو ادب میں بھی ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

حــوالہ جات و حواشی

۱ ۔ فتوح البلدان ۔ بلاذری۔ ص : ۳۲۵ ۔ طبع قاہرہ ۱۹۳۲ء

۲ ۔ ایضاً ۔ ص : ۳۲۹

۳ ۔ المؤطا ۔ امام مالک بن انس ۔ باب ماجاء فی حسن الخلق ۔

۴ ۔ تاریخ تصوف ۔ یوسف سلیم چشتی ۔ ص : ۱۳۷ ۔ طبع لاہور ۱۹۷٦ء

۵ ۔ کنز العمال ۔ شیخ علی المتقی ۔ کتاب الاخلاق ۔

٦ ۔ بزم صوفیہ ۔ صباح الدین عبدالرحمن ۔ ص : ۱، ۲ ۔ طبع اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء ۔

۷ ۔ ایضاً ۔ (تمہید) ۔ ص : ۴ ۔

۸ ۔ ایضاً ۔

۹ ۔ اصول اسلام ۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۔ ص : ۲۷ ، ۲۸ ۔ طبع لاہور ۱۳۷٦ ھ ۔

۱۰ ۔ بزم صوفیہ ۔ ص : ۵ ۔

۱۱ ۔ ایضاً ۔ ص : ۱۴۴ ، ص : ۳۳ ۔

۱۲ ۔ ایضاً ۔ ص : ۷ ۔

۱۳ ۔ ایضاً ۔ ص : ٦ ، ۷

۱۴ ۔ سیر العارفین ۔ حامد بن فضل اللہ جمالی ۔ ج : ۲ ، ص : ۱۲۹ ۔ (اردو ترجمہ : محمد ایوب قادری) ۔ طبع مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۸۷ء ۔

۱۵ ۔ بزم صوفیہ ۔ ص : ۵۴ ، ۵۵ ۔

۱٦ ۔ ایضاً ۔ ص : ۱۵۰ ۔

۱۷ ۔ ایضاً ۔ ص : ۱۵۱ ۔

۱۸ ۔ ایضاً ۔ ص : ۳۵ (حواشی)

۱۹ ۔ ایضاً ۔ ص : ۱۸۷ ۔

۲۰ ۔ ایضاً ۔ ص : ۲۱۳ ۔

۲۱ ۔ ایضاً ۔ ص : ۴۸۰ ۔

۲۲ ۔ سیرۃ النبی ۔ سید سلیمان ندوی ۔ ج : ٦، ص : ۲۵ ۔ طبع نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۔

۲۳ ۔ بزم صوفیہ ۔ ص : ۳۳ ۔

۲۴ ۔ أیضاً ص : ۱۷۰ ۔

۲۵ ۔ ایضاً ۔ ص : ۱۰۴ ۔